اورینٹل کالج میگزین، جلد۹۸، شمارہ۲، مسلسل شمارہ:۳٦۸، سال ۲۰۲۳ء

گرامی اور اقبال کے روابط اور فکری و فنی مشترکات

گوہر اقبال
لیکچرار فارسی
گورنمنٹ اسلامیہ گریجوایٹ کالج سول لائنز، لاہور

THE INFLUENCE OF GIRAMI UPON IQBAL

Gohar Iqbal
Lecturer in Persian
Govt. Islamia Graduate College, Civil Lines, Lahore

Abstract

Allama Iqbal is a great subcontinental poet and philosopher of the 19th century. He rightfully admired the greatness of the men of letters of his own era. Ghulam Qadir Girami was his contemporary. He was a renowned Persian poet of the subcontinent. Love and affection of Iqbal with Girami can be seen in his letters. Iqbal submitted his poems to Girami for correction as well as was enlightened by his critical remarks.In this research paper the impact of Girami on Iqbal's poetry has been critically evaluated.

Keywords:
Ghulam Qadir Girami, Allama Iqbal, Resemblance of ideas, 19^{th} Century, poetry.

غلام قادر گرامی (۱۸۵۶ء۔۱۹۲۷ء) برصغیر پاک و ہند میں کلاسیکی فارسی شاعری کے نمایندہ شعرا میں سے ہیں۔ وہ ۱۸۵۶ء میں ہندوستان کے شہر جالندھر میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے بچپن ہی میں **گلستان**، **بوستان** اور **سکندر نامہ** جیسی فارسی کی اہم کتابیں خلیفہ ابراہیم سے پڑھیں۔ ابتدائی تعلیم چودہ برس کی عمر میں مکمل کرنے کے بعد منشی فاضل کا امتحان اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی لاہور، پاکستان سے پاس کیا۔ وکالت کی ڈگری بھی حاصل کی۔(۱) امرتسر، لدھیانہ اور کپورتھلہ، بھارت کے مختلف مدارس میں تدریسی فرائض سرانجام دیتے رہے۔ اس کے بعد میر محبوب علی خان (۱۸۶۶ء۔۱۹۱۱ء) فرماں روائے حیدر آباد دکن کے دربار میں شاعرِ خاص ہوئے بعد میں "ملک الشعرا" کا خطاب بھی ملا۔(۲) ان کی زندگی کا بیشتر حصہ دکن میں گزرا۔ وہ ۱۹۱۶ء۔۱۹۱۷ء میں حیدر آباد دکن سے ہوشیار پور منتقل ہوگئے اور وہیں ۱۹۲۷ء وفات پائی۔ ان کے شاگردوں میں **قومی** ترانے کے خالق حفیظ جالندھری (۱۹۰۰ء۔۱۹۸۲ء) اور برصغیر پاک و ہند کے شاعر عزیز الدین عظامی (۱۸۹۸ء۔۱۹۵۷ء) شامل ہیں۔(۳)

گرامی برصغیر پاک و ہند کے استاد شعرا میں شمار ہوتے ہیں۔ انھوں نے تقریباً تمام اصناف سخن میں یادگار نمونے چھوڑے ہیں۔ ان کی تصانیف میں ایک دیوان اور مجموعہ رُباعیات شامل ہیں۔

دیوان گرامی تقریباً چار ہزار اشعار پر مشتمل ہے جس میں مثنویات، خمریات، مناقب، قطعات، مراثی، قصائد اور غزلیات پر مشتمل ہیں۔ دیوان کا بیشتر حصہ غزلیات کا ہے جب کہ اکثر مثنویاں نامکمل ہیں۔ دیوان میں ایک ترجیع بند، دو مسدس اور ایک ساقی نامہ شامل ہے۔ گرامی نے مولانا جلال الدین محمد بلخی رومی (۱۲۰۷ء۔۱۲۷۳ء) اور غنیمت کنجاہی (۱۱۱۰ھ / ۱۶۹۸ء) کی پیروی میں مختصر مثنوی بھی لکھی ہے۔(۴)

رباعیات گرامی ان کا دوسرا فارسی شعری مجموعہ ہے۔ اس میں تقریباً ۳۲۰ رباعیات شامل ہیں جو تصوف و عرفان، فلسفہ اور اخلاقیات جیسے اہم موضوعات پر مبنی ہیں۔ بیشتر رباعیات ابو سعید ابوالخیر (۹۶۷ء۔۱۰۴۹ء) اور مولانا جامی (۱۴۱۴ء۔۱۴۹۲ء) کی پیروی میں لکھی گئی ہیں۔(۵) یہ رباعیات انھوں نے عمر کے آخری حصے میں لکھیں جب ان کا فکر و فن اوج کمال پر تھا۔ اس لحاظ سے ان کی اہمیت نمایاں ہے۔

اقبال، گرامی کا نوجوان ہم عصر شاعر ہے۔ اقبال کی پیدائش (۱۸۷۷ء) کے وقت گرامی کی عمر تقریباً بیس سال تھی۔ لیکن عمروں کا یہ تفاوت ان کی بے تکلفانہ دوستی میں حارج نہیں تھا۔

گرامی جب لاہور آتے تو اقبال کے ہاں کئی دن قیام کرتے۔ اکثر علامہ انھیں اپنے ہاں آنے کی دعوت بھی دیتے۔ گرامی کی شخصیت بناوٹ سے پاک، ان کے ہر انداز سے سادگی کا رنگ ٹپکتا جس سے مزاح کی گل کاریاں کھلتیں۔ حفیظ جالندھری کا شمار مولانا گرامی کے اہم اور نام ور شاگردوں میں ہوتا ہے۔ اپنے استاد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "ایک مرتبہ علامہ کا ملازم علی بخش ہوشیار پور بھیجا گیا تاکہ گرامی صاحب کو اپنے ساتھ لاہور لے آئے۔ علی بخش، گرامی کے ہاں پہنچا اور علامہ کا پیغام دیا۔ گرامی نے علی بخش کو اپنے ہاں ٹھہرالیا۔ ہر روز تیار ہوتے پھر رہ جاتے۔ ایک دن تیاری مکمل ہوگئی۔ اسٹیشن پر جانے کے لیے تانگہ دروازے کے سامنے آکھڑا ہوا اور مولانا کا بستر اور پان دان، کپڑوں اور دوسرے ضروری سامان کا ٹرنک، حقہ اور تمباکو کا تھیلا لد گیا۔ گرمی کے دن تھے۔ مولانا کے انتظار میں دو تین گھنٹے دھوپ میں رہنے کی وجہ سے تانگہ کی گدیاں گرم ہوگئی تھیں۔ آخر گرامی صاحب جھومتے جھامتے ایک ہاتھ میں چھڑی دوسرے میں رومال لیے گھر سے نکلے اور تانگے پر سوار ہوئے لیکن جوں ہی گرم گدی پر بیٹھے تلملا اٹھے۔ جھٹ تانگے کی طرف سے اتر کر گھر کی طرف ہو لیے ساتھ بلند آواز سے فرمایا:
> کہہ دینا دھوپ تھی، تانگہ گرم ہو گیا تھا۔ کہہ دینا سردیوں میں آئیں گے تانگہ گرم ہو گیا تھا۔"(۶)

ایک مرتبہ مولانا گرامی لاہور میں علامہ کے ہاں مہمان تھے۔ باورچی ہر صبح پوچھ لیا کرتا تھا کہ آج کیا کھائیں گے۔ ایک دن فرمایا گوبھی کھائیں گے۔ جب سے لاہور آئے ہیں، گوبھی کو ترس گئے ہیں۔ چناں چہ دستر خوان پر گوبھی کا سالن سامنے پیش کیا گیا تو مولانا بگڑ بیٹھے۔ ہر روز گوبھی، اقبال تمھارے باورچی کو گوبھی کے سوا اور کوئی چیز نہیں ملتی کم بخت نے گوبھی کھلا کھلا کر گرامی کے پیٹ کا غبارا بنا دیا ہے۔ کیا لاہور میں شلجم نہیں ملتے؟ باورچی تھا اداشناس، فوراً شلجم کا سالن پیش کیا۔ اب گرامی صاحب خوش ہو گئے "واہ بھئی واہ نوکر ہو تو ایسا واہ بھئی واہ"۔(۷)

اقبال کا گرامی سے جو تعلق خاطر تھا، اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ دونوں خوش ذوق اور خوش فکر شاعر تھے اور اپنے دور میں کامل الفن اداشناسوں میں شمار ہوتے تھے۔ فارسی اساتذہ کا کلام انھیں حفظ تھا اور نئی تراکیب وضع کرنے میں انھیں کوئی دقت پیش نہ آتی۔ اقبال، ان کے آرام و سکون کا بہت خیال رکھتے۔

بیشتر وقت ان سے علمی نشستیں ہوا کرتی۔ شعری نزاکتوں پر بات کی جاتی۔ ایسی بابرکت مجالس جس میں ایک آشنا دوسرے آشنا سے ہم کلام ہوتا۔ دونوں ایک دوسرے کے کلام کو سراہتے اور شعری تنقید ان کے لیے کیمیا ثابت ہوتی۔ (۸)

اقبال اور گرامی کی ملاقاتیں بھی ہوتیں لیکن بیشتر ان کے درمیان مراسلت ہی رہتی تھی۔ مولانا گرامی کے نام اقبال کے ۹۰ خطوط محفوظ ہیں۔ خط کتابت کا یہ سلسلہ ۱۹۱۰ء سے شروع ہو کر ۱۹۲۷ء گرامی کے سالِ وفات تک چلتا رہا۔ خطوط کے مطالعے سے واضح ہے کہ اقبال کو فارسی شاعری کی اصلاح کے لیے برصغیر پاک وہند میں گرامی سے زیادہ موزوں اور کوئی شخصیت نظر نہ آئی۔ اقبال نہ صرف ان کے فکر وفن سے متاثر تھے بل کہ ان کی درویشانہ صفات کے بھی دل دادہ تھے۔ اسی طرح گرامی بھی اقبال کے علم وفضل سے بے حد متاثر تھے۔ ایک خط میں گرامی نے اقبال کو مجدد عصر لکھا۔ اقبال کے نام گرامی کا یہ خط دیکھیے:

> حضرت مجدد عصر ڈاکٹر صاحب۔ تسلیم! آپ کا خط مل گیا۔ نہ کسی محفل نشاط کی دعوت، نہ کسی انجمن کی کشش گرامی کو لاہور کھینچ سکتی ہے۔ ہاں ڈاکٹر کی محبت کی نسبت گرامی کچھ نہیں کہہ سکتا۔
>
> رشتہ ای در گردنم افگندہ دوست
>
> دوری میں نزدیکی ہے، نزدیکی میں دوری۔ گرامی دوری کو نزدیکی پر ترجیح دیتا ہے۔ (۹)

اقبال کے ان سے بے تکلفانہ مراسم اور مزاح کی جھلک خطوط میں نمایاں ہے۔ جب اقبال کے خط کا گرامی دیر سے جواب دیتے ہیں تو انھیں نومی کہتے ہیں کہ وہ سوتے زیادہ ہیں۔ (۱۰)۔ جب اقبال ان کا پتا نہ چلا پاتے تو خط میں لکھ بھیجتے کہ آپ حیدرآباد ہیں یا عدم آباد کہ آپ کو تعزیت نامہ ہی لکھ بھیجوں۔ (۱۱)

اقبال کی شہرہ آفاق کتاب مثنوی **اسرارِ خودی** (۱۹۱۵ء) کی تکمیل پر اقبال نے گرامی کے نام ایک خط لکھا اور یہ پیغام ان تک پہنچایا کہ اس کی اشاعت کا اہتمام اس وقت ہوگا جب یہ کتاب ان کی نظر سے گزرے گی۔ (۱۲)

گرامی کے نام بیشتر خطوط ایسے ہیں جن میں اقبال نے اپنا کلام اصلاح کے لیے بھیجا ہے۔ اسی طرح گرامی بھی بعض اوقات اکابر شعرا کی زمین میں انھیں اشعار لکھ بھیجتے۔ یہ ذوق انگیز اشعار اقبال میں شعر کہنے کی تحریک پیدا کرتے اور اسی زمین میں اقبال بھی غزل لکھ لیتے۔ اقبال بہ جا طور پر گرامی کی تنقید سے مستفید ہوتے۔

اقبال نہ صرف گرامی سے دادِ سخن وصول کرتے بل کہ مشورہ سخن بھی کرتے اور ان سے شعری اصلاح بھی لیتے۔ کبھی ان کے مشورے قبول کر لیتے اور کبھی تسلی نہ ہوتی تو معذرت چاہتے۔

گرامی نے اقبال کے بعض اشعار یا مصرعوں کی اصلاح بھی کی جسے اقبال نے قبول بھی کیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ گرامی کی طبیعت کتنی نکتہ رس تھی اور وہ شعر کا کتنا صحیح مذاق رکھتے تھے:

اقبال: عشق از عزم و یقین لا ینفک است

اصلاحِ گرامی: عشق را عزم و یقین لا ینفک است

اقبال: راہبِ اول فلاطون حکیم

اصلاحِ گرامی: راہب دیرینہ افلاطون حکیم (۱۳)

اقبالؒ نے جب یہ مصرعہ موزوں کیا: "کشتۂ اندازِ ملا جامی ام" تو دوسرا مصرعہ نہ بن سکا۔ گرامی نے اس پر یہ مصرعہ چسپاں کر دیا: "نظم و نثر او علاجِ خامی ام"

اسی طرح اقبال جب "زندہ حق از قوتِ شبیری است" پر پہنچ کر رک گئے تو گرامی نے "باطل آخر داغِ حسرت میری است (۱۴)" بہم پہنچایا۔

گرامی کی جن اصلاحات سے وہ مطمئن نہ ہوتے وہاں اس کی وجہ دلائل سے دیتے اور گرامی بھی ان کی ذہانت کی داد دیے بغیر نہ رہتے۔(۱۵)

اقبال کو یکم جنوری ۱۹۲۳ء میں جب "سر" کا خطاب ملا تھا تو اس پر بہت سے لوگوں نے اعتراض کیا کہ عام طور پر حکومتِ برطانیہ وفاداری کے صلے میں خطابات سے نوازتی ہے مگر اقبال آزاد منش اور حق گو انسان تھے۔ ایک خط میں لکھتے ہیں کہ اس سال خلافِ توقع حکومت برطانیہ کی طرف سے انھیں سر کا خطاب دیا گیا ہے، لیکن اس طرح کے واقعات ان کی حیثیت کے سامنے ہیچ ہیں۔(۱۶)

اس موقع پر گرامی نے بھی ایک رباعی کہی اور اس میں حاسدینِ اقبال پر کڑی تنقید کی اور یہ بات واضح کی کہ اقبال کو سر کا خطاب ملنا ان کی علمی کاوشوں کو خراج عقیدت پیش کرنا ہے۔

ہر نکتۂ علامہ وفا آہنگ است
ہر حرف کلید حکمت و فرہنگ است
اقبال، سر اقبال شد از جوہر علم
حاسد عوعو کند علاجش سنگ است (۱۷)

ترجمہ: علّامہ اقبال کا ہر نکتہ سراپا وفا ہے، ہر حرف دانائی اور تہذیب کی کنجی ہے، اقبال علمی صلاحیت کے بل پر ''سر اقبال'' بنے ہیں، حاسد بھونکیں ان کا علاج پتھر ہے۔

ان دو عظیم شعرا کا تصوف و عرفان کے بیشتر موضوعات پر اشتراک نمایاں ہے۔ عقائد میں توحید سب سے اہم رکن ہے۔ خدا کی وحدانیت کا اقرار کیے بغیر دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوا جا سکتا۔ توحید یہ ہے کہ غیر اللہ کا خوف دل سے نکل جائے اور انسان اسی ذات واحد کی کامل اطاعت بہ جا لائے۔ جب تک انسان کا دل توحید کے نور سے روشن نہ ہو جائے وہ غیروں کا محکوم ہی بنا رہتا ہے۔ گرامی اس ضمن میں کہتے ہیں:

ما راہ نوردِ شاہ راہِ توحید جز مسلم کیست خود گواہِ توحید
توحید بود جلوہ طرازِ دلِ ما ماییم در آغوشِ نگاہِ توحید(۱۸)

ترجمہ: ہم توحید کی شاہ راہ پر چلنے والے ہیں، توحید کا گواہ خود مسلمان کے سوا کون ہے؟ توحید ہمارے دل میں جلوہ طراز ہے، ہم نگاہِ توحید کی آغوش میں ہیں۔

توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا(۱۹)

ہر انقلابی تحریک کا ایک نعرہ ہوتا ہے جو اس کے بنیادی مقاصد کا حقیقی مظہر ہوتا ہے۔ اسلام کی تحریکِ انقلاب کا نعرہ ''لا الہ الّا اللہ'' تھا۔ ''لا'' نفی کی علامت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا کوئی الہ نہیں جب کہ ''الّا'' اثبات کی علامت ہے۔ یعنی دونوں جہانوں کی بادشاہی خدائے بزرگ و برتر ہی کو زیب دیتی ہے۔ اس کے سامنے سبھی محکوم ہیں:

از خود رمیدہ ایم بہ او آرمیدہ ایم یعنی گلی ز گلشن توحید چیدہ ایم
در نفیِ خویش نکتۂ اثبات مضمر است لا خواندہ ایم و بر درِ الّا رسیدہ ایم(۲۰)

ترجمہ: ہم خود سے بھاگے ہوئے ہیں، محبوب کے ساتھ آسودہ ہیں یعنی ہم نے توحید کے گلشن سے پھول چنا ہے، اثبات کا نکتہ ہماری نفی میں چھپا ہے، ہم نے ''لا'' کہا ہے اور ''الّا'' کے دروازے پر پہنچے ہیں۔

اسی طرح اقبال کہتے ہیں:

نہاد زندگی میں ابتدا لا انتہا الّا پیام موت ہے جب لا ہوا الّا سے بیگانہ
وہ ملت روح جس کی لا سے آگے بڑھ نہیں سکتی یقین جانو ہوا لبریز اس ملت کا پیمانہ(۲۱)

اقبال کے نزدیک بے نیازی کی خُو انسان کو طاقتور بناتی ہے مگر ایک خدا کے ساتھ نیاز مندی ضروری ہے کیوں کہ اس کے بغیر قومیں روبہ زوال ہو جاتی ہیں ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

لا و الا ساز و برگ امتان نفی بی اثبات مرگ امتان (۲۲)

ترجمہ: "لا" اور "الا" تو امتوں کی متاع ہے، قوموں کے لیے ایسی نفی موت ہے جس کے بعد اثبات نہ ہو۔

دونوں شعرا کے نزدیک "لا" اور "الا" خودی کے مقامات میں سے ہیں۔ زندگی جب تک "لا" سے "الا" کی طرف نہ آئے ہنگاموں سے بھرپور ہی رہتی ہے۔ "لا" اور "الا" جلال و جمال ہیں اور مومن کی شخصیت جلال و جمال کا مرقع ہوتی ہے۔ مومن خود آگاہ ہوتا ہے۔ اپنی صلاحیتوں کا ادراک رکھتا ہے اور اپنی محنت اور خدا پر مکمل بھروسے کے ساتھ اعلیٰ مقاصد کی تکمیل کرتا چلا جاتا ہے۔ اقبال فلسفۂ خودی کے پیامبر ہیں۔ گرامی نے بھی اس موضوع کو بہت نمایاں اہمیت دی جو ان کے کلام سے ظاہر ہے:

نمی دانی ترا در محملِ دل کیست ای مجنون سراغِ لیلیٰ از ہر ناقہ و محمل چہ می پرسی (۲۳)

ترجمہ: اے مجنوں تم جو لیلی کا پتا ہر ناقہ و محمل سے پوچھتے پھرتے ہو، کیا تمھیں معلوم نہیں ہے کہ تمھارے دل کے کجاوے میں کون ہے۔

اقبال نے اپنے اردو کلام میں ایک جگہ اسی نکتے کو یوں بیان کیا ہے:

کبھی اپنا بھی نظارہ کیا ہے تو نے اے مجنوں
کہ لیلی کی طرح تو خود بھی ہے محمل نشینوں میں (۲۴)

گرامی اور اقبال کے مندرجہ بالا اشعار لفظی اور معنوی حوالے سے ایک دوسرے کے بہت قریب ہیں۔

اقبال فقر کو خودی کی پختگی اور تکمیل کا ثمرہ جانتے ہیں۔ جب خودی اتباعِ رسول ﷺ کی بہ دولت پختہ ہو کر مرتبۂ کمال تک پہنچ جاتی ہے تو اس میں شانِ فقر پیدا ہو جاتی ہے اور ساری کائنات اس بندۂ مومن کی غلام بن جاتی ہے:

خوشا روزی کہ خود را باز گیری ہمین فقر است کو بخشد **امیری** (۲۵)

یہ فقر ہی ہے جو انسان کو بادشاہی عطا کرتا ہے، وہ دن مبارک ہو گا جب تم خود کو پالو گے۔

گرامی لکھتے ہیں:

در فقر نہفتہ اند **میری** در گرسنگی چکیدہ سیری (۲۶)

ترجمہ: بادشاہت، فقر میں چھپی ہوئی ہے، سیرابی بھوک سے ٹپکتی ہے۔

عقل و عشق ان دونوں شعرا کا پسندیدہ ترین موضوع ہے۔وہ دیگر صوفی شعرا کی طرح عشق کو عقل پر برتری دیتے ہیں۔ عقل کی حیلہ جوئی کو مولانا گرامی نے دل نشین آہنگ میں بیان کیا:

کتاب عقل ورق در ورق فروخواندیم تمام حیلہ فروشی و مدعا طلبی(۲۷)

ترجمہ: ہم نے کتابِ عقل کے اوراق پڑھے ہیں، یہ حیلہ فروشی اور مدعا طلبی کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے۔

اقبال پیامِ مشرق (۱۹۲۳ء) میں لکھتے ہیں:

نشان راہ ز عقل ہزار حیلہ مپرس بیا کہ عشق کمالی ز یک فنی دارد(۲۸)

اس عقل سے راستے کا پتا نہ پوچھ جو ہزار حیلے بہانے بناتی ہے، ادھر آ کہ عشق اس فن میں درجہ کمال رکھتا ہے۔

دنیا میں موجود تمام تر رنگینیاں سعی پیہم ہی کی مرہونِ منت ہیں۔ اقبال اور گرامی نے اس زمانے میں، جب مسلمان لذتِ عمل سے بیگانہ ہو چکے تھے، اور سستی اور کاہلی نے ان کے قویٰ کو مضمحل بنا ڈالا تھا۔ ان میں عمل کی روح پھونکی اور میدانِ عمل میں سر بہ کف آنے کا پیغام دیا:

گنج ہای رنج ہا ناید بہ دست ای بوالہوس نافہ خون ہای خورد تا مشکِ ناب آید برون(۲۹)

ترجمہ: اے بوالہوس، خزانے بغیر سختیوں اور مصیبتوں کے ہاتھ نہیں آتے، نافہ خون پیتی ہے تب کہیں جا کر خالص خوشبو باہر آتی ہے۔

گرامی و اقبال دونوں عمل اور مسلسل کوشش کی بنیاد پر استوار زندگی کے زیادہ مداح ہیں:

میارا بزم بر ساحل کہ آن جا نوای زندگانی نرم خیز است
بہ دریا غلط و با موجش در آویز حیات جاودان اندر ستیز است(۳۰)

ترجمہ: ساحل پر بزم آرائی نہ کیجیے کیوں کہ وہاں زندگی کی آواز مدھم ہے، سمندر میں لوٹ پوٹ ہو جائیے اور اس کی موجوں سے زور آزمائی کیجیے کیوں کہ ہمیشہ کی زندگی جدوجہد ہی میں ہے۔

اقبال و گرامی کے نزدیک، مومن کبھی کسی کا دست نگر نہیں بنتا بل کہ اس کی ذات خود ایک معجزہ ہوتی ہے۔ اندھی تقلید انسانی حمیت کے لیے بہ منزلہ زہر ہے۔ بہ قول گرامی آئینۂ سکندری اور جامِ جمشید خود انسان کی ذات میں موجود ہے پھر غیروں کے دستر خوان سے ٹکڑے چننا تو انسان کو زیب نہیں دیتا:

تا چند فریبِ دار و گیر تقلید تا چند فسونِ قصۂ بیم و امید

در پہلوی تست گر بہ خود نگری آئینۂ سکندر و جامِ جمشید(۳۱)

تقلید کی پکڑ دھکڑ کا دھوکا کب تک؟ امید اور خوف کے قصے کا جادو کب تک؟ اگر تم اپنے آپ میں دیکھو تو سکندر کا آئینہ اور جمشید کا پیالہ خود تمھارے پہلو میں ہے۔

اقبال کے نزدیک دوسروں کے راستے پر چلنا عذاب ہے۔ حمیّت کا تقاضا یہی ہے کہ انسان اپنا راستہ خود بنائے:

تراش از تیشہ خود جادہ خویش بہ راہ دیگران رفتن عذاب است(۳۲)

ترجمہ: اپنے تیشے سے اپنے راستے خود بنایئے کیوں کہ دوسروں کے رستوں پہ چلنا تو ایک عذاب ہے۔

حال کی اہمیت مسلّم ہے۔ زمانۂ حال ہی انسان کا حقیقی سرمایہ ہے۔ انسان زمانۂ حال میں رہتے ہوئے ماضی کی الجھنوں اور فروگذاشتوں کا رونا روتے ہیں اور حال کی اہمیت سے بالکل بے خبر ہوتے ہیں۔

کارِ امروز بہ فردا مگذار ای غافل وای آن ابلہ کہ سر در سرِ فردا می کرد(۳۳)

ترجمہ: اے غافل آج کا کام کل پہ نہ چھوڑ، افسوس اس نادان پر جسے ہر وقت مستقبل کے اندیشے لاحق رہتے ہیں۔

اقبال لکھتے ہیں:

کسی نے دوش دیکھا ہے نہ فردا فقط امروز ہے تیرا زمانہ(۳۴)

اقبال کا دائرہ فکر، گرامی کی نسبت وسیع تھا، لیکن گرامی کے کلام میں جو خیال انہیں اچھوتا لگا اسے اپنا لیا۔ درحقیقت گرامی غزل گو شاعر ہیں اور ان کے کلام میں الفاظ و تراکیب کے عمدہ نمونے ملتے ہیں۔ اقبال نے ان میں سے بیشتر اپنی کان سخن کی زینت بنائے۔ وہ گرامی کے لطیف فنی شعور سے متاثر تھے۔ دونوں بزرگ شعرا کی پیروی میں ہم طرحی غزلیات بھی کہتے۔ گرامی نے بزرگ شعرا کی پیروی میں ایک غزل کہی جس کے اشعار کے قافیہ ددیف شراب اندر، کباب اندر ہیں۔(۳۵)

اقبال نے اسی زمین میں **جاوید نامہ** (۱۹۳۲ء) میں ایک غزل لکھی جس میں سراب اندر حجاب اندر قافیہ ردیف ہیں۔(۳۶)

گرامی نے مرزا صائب تبریزی (۱۵۹۰۔۱۶۷۶ء) کی زمین میں ایک غزل کہی جس کا مطلع ذیل میں دیا گیا ہے:

آن پری گر از چمن گرم عتاب آید برون

بلبل از گل، گل ز بو، بو از گلاب آید برون (۳۷)

ترجمہ: اگر وہ پری چہرہ گرم عتاب ہو کر باغ سے باہر چلا آئے تو بلبل پھول اور خوش بو گلاب سے باہر آجائے۔

اقبال نے اسی زمین میں ایک غزل کہی جو **زبورِ عجم** (۱۹۲۷ء) میں ہے، اُس غزل کے **مطلع** کا ترجمہ ذیل میں دیا گیا ہے:

گرچہ می دانم کہ روزی بی نقاب آید برون

تا نپنداری کہ جان از پیچ و تاب آید برون (۳۸)

ترجمہ: میں جانتا ہوں کہ ایک دن محبوب بے حجابانہ باہر آئے گا، لیکن تم یہ نہ سمجھ لینا کہ روح پیچ و تاب سے باہر نکل آئے گی۔

اقبال نے گرامی کے نام ایک خط لکھا جس میں لکھتے ہیں: "با سوختگان قصہ ز کوثر نتوان گفت خوب مصرع ہے۔ اقبال بھی اسی زمین میں غزل لکھے گا۔ مگر گرامی کی حلاوت بھلا اسے کہاں نصیب ہو گی۔" (۳۹)

اقبال نے گرامی کی جس غزل کی داد دی، اس کے اشعار یوں ہیں:

با دل شدگان قصہ ز محشر نتوان کرد — با سوختگان حرف ز کوثر نتوان گفت

آن طفل رہِ دل ز دو رہزن نتوان خواند — در کعبہ زند آتش و کافر نتوان گفت (۴۰)

اقبال نے بھی اسی زمین میں غزل کہی جو **زبورِ عجم** میں ہے اسی غزل کے **مطلع** کا ترجمہ دیا جاتا ہے:

رمز عشق تو بہ ارباب ہوس نتوان گفت

سخن از تاب و تب شعلہ بہ خس نتوان گفت (۴۱)

مولانا گرامی کے نام اقبال کا ایک اور خط ملاحظہ ہو:

> آپ نے سعدی کی غزل پر غزل لکھی تھی۔ "فرہنگ است، آہنگ است"۔ اس پر چند اشعار میں نے بھی لکھے ہیں۔ ایک دو شعر عرض کرتا ہوں:
>
> بیا کہ ساقیٔ گل چہرہ دست بر چنگ است
>
> چمن ز بادِ بہاران چو نقش ارژنگ است (۴۲)

اقبال نے گرامی کی جس غزل کا ذکر اپنے خط میں کیا، وہ یوں ہے:

اسیر عشق بہ ناموس و ننگ در جنگ است
کہ عشق دشمنِ ناموس و رہزنِ ننگ است
ادا شناس رموزِ کرشمہ ای داند
کہ در نگاہ و تغافل ہزار فرسنگ است(۴۳)

اسی طرح گرامی نے اپنے دیوان میں ایک جگہ اقبال کا ایک مصرع تضمین کیا ہے:

جام جم گیر کہ در می کدہ خوش گفت اقبال
قسمت بادہ بہ اندازۂ جام است این جا(۴۴)

ترجمہ: اقبال نے کیا خوب صورت بات کہی کہ جمشید کا جام لیجیے کیوں کہ مے کدے میں شراب بہ قدر جام ہی ہر اک کو ملتی ہے۔

اقبال کا وہ شعر دیکھیے:

ہست این می کدہ و دعوت عام است این جا
قسمت بادہ بہ اندازہ جام است این جا(۴۵)

ترجمہ: یہ مے کدہ ہے اور یہاں ہر ایک کے لیے دعوت عام ہے، یہاں شراب بہ قدر جام ہی ہر اک کو ملتی ہے۔

بعض ایسے اشعار ملتے ہیں جن میں فکری اشتراک کے ساتھ لفظی مشابہت بھی واضح ہے، مثال کے طور پہ گرامی کا یہ شعر دیکھیے اگرچہ اس کا دوسرا مصرع انھوں نے نظیری نیشاپوری(م: ۱۰۲۱ھ /۱۶۱۲ء) سے تضمین کیا ہے:

تو ز **آب و گل** ہمہ گویی و من ز دل گویم　　　ترا بہ کعبہ **مرا کار با دل افتاد** است(۴۶)

ترجمہ: تمھاری ساری باتیں آب و گل سے متعلق ہیں جب کہ میں جو بات بھی کرتا ہوں دل سے کرتا ہوں، میرا کام دل سے آن پڑا ہے جب کہ تمھارا کام کعبے سے ہے۔

اقبال کی رباعی دیکھیے:

چہ شور است این کہ در **آب و گل** افتاد　　　ز یک دل عشق را صد مشکل افتاد

قرار یک نفس بر من حرام است　　به من رحمی که **کارم با دل افتاد**(۴۷)

ترجمہ: یہ آب و گل میں کیسا شور برپا ہے، صرف ایک دل کی وجہ سے عشق سیکڑوں مصیبتوں میں جا پھنسا ہے، مجھ پر تو لمحہ بھر کا آرام بھی حرام ہو گیا ہے، میرے حال پر رحم کیجیے کہ میرا کام دل سے آن پڑا ہے۔

اسی طرح اقبال نے بعض تراکیب و کلمات کو بعینہ اسی طرح استعمال کیا ہے جیسا گرامی نے اپنے کلام میں، مثال کے طور پر:

در چشم وفا عاشق و معشوق یکی ست　　**مجنون، لیلی شد است در وادی ما** (۴۸)

ترجمہ: عاشق و معشوق وفا کی آنکھ میں ایک ہیں، ہماری وادی میں مجنوں لیلیٰ بن گیا۔

چون تمام افتد سراپا ناز می گردد نیاز　　قیس رالیلی همی نامند در صحرای من(۴۹)

ترجمہ: نیاز جب درجہ کاملیت کو پہنچتا ہے تو سراپا ناز بن جاتا ہے، ہماری وادی میں قیس کو لیلی ہی کہا جاتا ہے۔

شیخ شہر آخر چرا شد سر بہ جیب　　گر لگدکوب **امید حور** نیست(۵۰)

ترجمہ: شہر کا شیخ اگر امید حور کا پامال کردہ نہیں ہے تو پھر وہ خوف زدہ کیوں ہوا۔

امید حور نے سب کچھ سکھا رکھا ہے واعظ کو
یہ حضرت دیکھنے میں سیدھے سادے بھولے بھالے ہیں۔(۵۱)

اعلی مناصب پر نااہل لوگوں کا فائز ہونا ایک عصری المیہ ہے۔ گرامی نے اُسی کی طرف اشارہ کیا ہے:

ز کار جہان نیست چندین شگفت　　اگر **زاغ میراث** بلبل گرفت(۵۲)

ترجمہ: اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں اگر اس دنیا میں کوّے، بلبل کی میراث لے اڑیں۔

اقبال نے بھی اسی پس منظر میں یہ بات کی ہے:

میراث میں آئی ہے انھیں مسند ارشاد
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن(۵۳)

گرامی کا ایک شعر ملاحظہ کریں:

آن رمز جلیل است ابوجہل چہ فہمد
آن سر **خلیل** است بہ **آزر** نتوان گفت(۵۴)

ترجمہ: وہ تو ایک بڑی رمز ہے، ابو جہل اسے کیا سمجھے، یوں کہیے کہ وہ ابراہیم **خلیل** اللہ کا بھید ہے اور اسے آزر کے ساتھ بیان نہیں کیا جاسکتا۔

اقبال لکھتے ہیں:

نہانش دارم از **آزر** نہادان   کہ این سری ز **اسرار** **خلیل** است(۵۵)

ترجمہ: یہ ابراہیم **خلیل** اللہ کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے، اسی لیے میں اسے آزر سرشت لوگوں سے چھپاتا ہوں۔

گرامی:

تاج رمز لی مع اللہ **برسرش**   **خرقۂ** الفقر و فخری در **برش**(۵۶)

ترجمہ: رمز لی مع اللہ کا تاج ان کے سر کی زینت ہے، اور الفقر و فخری کا خرقہ ان کی میراث ہے۔

اقبال:

خرقۂ لاتحزنو اندر **برش**   انتم الاعلون **تاجی** **بر** **سرش**(۵۷)

ترجمہ: لاتحزنو کا خرقہ ان کی میراث ہے، انتم الاعلون کا تاج ان کے سر کی زینت ہے۔

گرامی:

بود چوبی ای پسر **چوب** **کلیم**   آن کہ می کردی دل فرعون **دو نیم**(۵۸)

ترجمہ: اے بیٹے موسی کا عصا لکڑی کا تھا، جس نے فرعون کو دو ٹکڑے کر کے رکھ دیا۔

اقبال **حکمت فرعونی** میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

از دم او وحدت **قومی** **دو نیم**   کس حریفش نیست جز **چوب** **کلیم**(۵۹)

اسی طرح گرامی نے قصہ ابراہیم و نمرود کو جس تناظر میں بیان کیا، وہی اقبال کے ہاں بھی ملتا ہے:

ما سوختگان ز **آتش** **گل** **چینیم**   گلزارِ **خلیل** را بہاری دگر است(۶۸)

ترجمہ: ہم سوختہ ساماں آگ سے پھول چنتے ہیں، گلزار خلیل کی بہار کچھ اور ہی ہے

عشق با دشوار ورزیدن خوش است   چون **خلیل** از **شعلہ** **گل** **چیدن** خوش است(۶۹)

ترجمہ: مشکلات کے ساتھ عشق اختیار کرنا ہی اچھا ہے، ابراہیم خلیل اللہ کی طرح شعلوں سے پھول چننا تو خوب ہے۔

یہ لفظی و معنوی مشابہت بعض مصرعوں میں بھی موجود ہے:

گرامی: بہ ذرہ ذرہ **خلیل است و آتش نمرود** (۶۰)

ترجمہ: جہان کا ذرہ ذرہ ابراہیم خلیل اللہ اور آتش نمرود کی طرح بر سر پیکار ہے۔

اقبال: بہ ہر زمانہ **خلیل است و آتش نمرود** (۶۱)

ترجمہ: خلیل اللہ اور نمرود کی آگ تو، ہر زمانے میں ہے۔

گرامی: **کینہ** ہا در **سینۂ** تو مضمر است (۶۲)

ترجمہ: تمھارے سینے میں کینہ چھپا ہوا ہے

اقبال: برون کن **کینہ** را از **سینۂ** خویش (۶۳)

ترجمہ: اپنے سینے سے کینے کو نکال باہر کیجیے

گرامی: خود را **فروختیم چہ ارزان فروختیم** (۶۴)

ترجمہ: ہم نے خود کو کتنے سستے داموں بیچ ڈالا۔

اقبال: قومی **فروختند و چہ ارزان فروختند** (۶۵)

ترجمہ: انھوں نے قوم کو کتنا ارزاں فروخت کر دیا۔

گرامی: زنم آتش بہ **آہی در ستارہ** (۶۶)

ترجمہ: میں اپنی آہ و فغاں سے ستاروں میں آگ بھڑکا دیتا ہوں۔

اقبال: اب کیا جو **فغاں** میری پہنچی ہے **ستاروں** تک (۶۷)

گرامی: **بیخودی را از خودی نشاختیم** (۷۰)

ترجمہ: ہم نے خودی سے بے خودی کو نہیں پہچانا

اقبال: **تو خودی از بیخودی نشاختی** (۷۱)

ترجمہ: تم نے خودی کو بے خودی سے نہیں پہچانا۔

گرامی: بلبل گوید کہ **نو بہاری خوشتر** (۷۲)

اقبال: گل گفت کہ عیشِ **نو بہاری خوشتر** (۷۳)

گرامی: فریاد ز چرخِ **سفلہ پرور فریاد** (۷۴)

ترجمہ: پست فطرت لوگوں کی پرورش کرنے والے آسمان سے فریاد ہے۔

اقبال: بس کہ **گردون سفلہ ودون پرور است** (۷۵)

ترجمہ: آسمان پست فطرت لوگوں کو پالتا پوستا ہے

گرامی نے اپنے دیوان میں اقبال کے فکری اور فنی کاوشوں کو بہت سراہا ہے۔ ایک نظم جس کا عنوان "سر اقبال گرامی کی نظر میں" کے چند اشعار ذیل میں دیے گئے ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ گرامی کے دل میں ان کے نوجوان ہم عصر شاعر اقبال کا کتنا بلند مقام و مرتبہ تھا:

درس ماضی از کتابِ حال گیر ساغر از خم خانۂ اقبال گیر
حضرتِ اقبال آن بالغ نظر دارد از بود و نبودِ ما خبر
آن نوا پرداز اسرارِ ازل شاہ سوارِ عرصہ علم و عمل
بی خودی را در خودی منزل شناس در غبارِ کارواں محمل شناس
از نوایش بزمِ یورپ در خروش حکمتِ امریکہ او را سفتہ گوش
نالہ ہای آتشینِ آن حکیم سوخت رختِ فتنہ امید و بیم(۷۶)

ترجمہ: ماضی کا سبق حال کی کتاب سے حاصل کر اور اقبال کے مے کدے سے ساغر لے۔ حضرتِ اقبال ایسے بالغ نظر ہیں جو ہماری ہستی و نیستی سے باخبر ہیں۔ وہ ازل کے بھیدوں کے نغمہ پرداز ہیں اور میدانِ علم و عمل کے شاہ سوار بھی۔ کارواں کے گرد و غبار میں ایک وہی محمل شناس ہیں، انھوں نے خودی میں بے خودی کو پا لیا۔ ان کے نغموں نے یورپ میں تہلکہ مچادیا، امریکا کا علم و حکمت ان کے تابع ہے۔ اس حکیم کی آتشیں نالہ وزاری نے امید و بیم کے فتنوں کو پھونک کر رکھ دیا۔

اسی طرح گرامی **مجموعہ رباعیات** میں لکھتے ہیں کہ تقدیر نے ملک سخن وری کی بادشاہت کا سکّہ اقبال کے نام پر ہی ڈھالا ہے:

الہام بود ہمہ کلام اقبال شہبازِ معانی ست بہ دامِ اقبال
سر بر خطِ او نہد گرامی کہ قضا زد سکّہ خسروی بہ نامِ اقبال(۷۷)

ترجمہ: اقبال کا سارا کلام در حقیقت الہام ہے، اقبال کے دام میں تو حقیقت کا شہباز ہے، گرامی اس کے حضور سر تسلیم خم کرتا ہے کیوں کہ تقدیر نے بادشاہت کا سکہ اقبال کے نام پر ڈھالا ہے۔

حاصل کلام

علامہ اقبال کے مولانا گرامی سے اخلاص و مودّت کے تعلقات گرامی کی وفات (۱۹۲۷ء) تک جاری رہے۔ انار کلی، لاہور والے مکان میں گرامی کو اقبال کے ہاں فروکش دیکھا گیا۔ کئی ہفتے گرامی ان کے ہاں ٹھہرتے اور اقبال ان کی ناز برداریاں کرتے۔ ذہنی ہم آہنگی اور درویشانہ صفات نے ان کے مراسم کو جلِا بخشی۔ علمی نوعیت کی گفت گوئیں ہوا کرتیں۔ گرامی کے نام اقبال کے خطوط اردو کے مکتوبات میں ایک ثروت مند ذخیرہ ہے۔ موضوعات کی نسبت دینی و عرفانی موضوعات کا فکری اشتراک زیادہ نمایاں ہے۔ فن کے سلسلے میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں الفاظ و تراکیب کی نسبت اقبال نے گرامی کی بعض ان غزلیات کی پیروی کی جو انھوں نے بزرگ شعرا کی زمین میں لکھیں۔ وہی زمین ہے جسے بار بار جوتا جارہا ہے۔ اسی طرح گرامی بھی علامہ کے فکر و فن کے مداح تھے۔ گرامی کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مقامات پر انھوں نے سبک اقبال میں لکھنے کی بھی کوشش کی۔ ان دو عظیم شاعروں کے غیر رسمی نوعیت کے روابط سے ان کی شخصیت کی کئی جہتیں کھل کر سامنے آتی ہیں۔ مباحث کے ذریعے اپنی کجی دور کرتے۔ گرامی کی بزرگانہ شفقت اور اقبال کی بزرگوں سے نیاز مندی ان کی باہمی ملاقات اور خطوط میں روشن ہے۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) سبط حسن رضوی، فارسی گویان پاکستان، (اسلام آباد: مرکزی تحقیقات فارسی ایران وپاکستان، ۱۹۷۴ء)، ٦۳۔٦۴۔

(۲) ظہور الدین احمد، پاکستان میں فارسی ادب، جلد ۵، (لاہور: ادارہ تحقیقات پاکستان پنجاب یونیورسٹی ۱۹۹۰ء)، ۱۱۰۔

(۳) خواجہ محمد زکریا، تاریخ ادبیات مسلمانان پاک وہند، جلد ۵، گرامی (مقالہ) (لاہور: ادارہ تحقیقات پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۷۲ء)، ۴۹۵۔

(۴) ایضاً، ۴۹۵۔

(۵) مزدک انوشہ، دانشنامہ ادب فارسی در شبہ قارہ، جلد۴ بخش سوّم، (تہران: سازمان و چاپ و انتشارات وزارت فرہنگ وارشاد اسلامی)، ۲۱۰۱۔

(٦) حفیظ جالندھری، ماہِ نو، جلد۹ شمارہ۵، لاہور، استاد گرامی مرحوم (۱۹۵٦ء)، ۱۹۔

(۷) ایضا، ۱۹۔

گوہرِ اقبال 70

(۸) محمد عبداللہ قریشی، معاصرین اقبال کی نظر میں،(لاہور: مجلس ترقی ادب،۱۹۷۷ء)، ۱۹۴۔۱۹۵۔

(۹) محمد عبداللہ قریشی،مکاتیب اقبال بہ نام گرامی،(لاہور:اقبال اکادمی پاکستان،۱۹۸۱ء)، ۱۴۹۔

(۱۰) علامہ محمد اقبال،کلیات مکاتیب اقبال،مرتب سید مظفر حسین برنی،(ترتیب پبلیشر)،۲۲۹۔

(۱۱) ایضاً،۲۶۵۔ (۱۲) ایضاً،۲۷۸۔

(۱۳) ظہورالدین احمد، پاکستان میں فارسی ادب،۱۱۵۔

(۱۴) اختر جوناگڑھی، قاضی احمد میاں، اقبالیات کا تنقیدی جائزہ،(لاہور:اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۵۵ء)، ۸۴۔

(۱۵) محمد عبداللہ قریشی، معاصرین اقبال کی نظر میں،۱۹۸۔

(۱۶) علامہ محمد اقبال، کلیات مکاتیب اقبال،۳۱۴۔

(۱۷) غلام قادر گرامی،رباعیات گرامی،(لاہور: شیخ مبارک علی تاجر کتب)،۳۰۔

(۱۸) ایضاً،۴۔

(۱۹) علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال (اردو)،۱۵۹۔ (۲۰) غلام قادر گرامی،رباعیات گرامی،۲۵۵۔

(۲۱) علامہ محمد اقبال،کلیات اقبال (اردو)،۵۲۵۔ (۲۲) علامہ محمد اقبال،کلیات اقبال (فارسی)،۸۱۵۔

(۲۳) غلام قادر گرامی،دیوانِ گرامی،۹۳۔ (۲۴) علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال(اردو)،۱۰۳

(۲۵) علامہ محمد اقبال،کلیات اقبال(فارسی)،۹۹۲۔ (۲۶) غلام قادر گرامی،دیوانِ گرامی،۸۱۸۔

(۲۷) ایضاً،۲۱۔ (۲۸) علامہ محمد اقبال،کلیات اقبال(فارسی)،۳۳۳۔

(۲۹) غلام قادر گرامی،دیوانِ گرامی،۹۷۔ (۳۰) علامہ محمد اقبال،کلیات اقبال (فارسی)،۲۱۵۔

(۳۱) غلام قادر گرامی،رباعیات گرامی،۱۷۸۔ (۳۲) علامہ محمد اقبال،کلیات اقبال (فارسی)،۲۲۹۔

(۳۳) غلام قادر گرامی،دیوانِ گرامی،۴۳۔ (۳۴) علامہ محمد اقبال،کلیات اقبال(اردو)،۳۸۱۔

(۳۵) غلام قادر گرامی،دیوانِ گرامی،۲۶۔ (۳۶) علامہ محمد اقبال،کلیات اقبال(فارسی)،۶۳۰۔

(۳۷) غلام قادر گرامی،دیوانِ گرامی،۷۹۔ (۳۸) علامہ محمد اقبال،کلیات اقبال ،۴۸۹۔

(۳۹) علامہ محمد اقبال،کلیات مکاتیب اقبال،۳۵۔ (۴۰) گرامی،دیوان،۳۱۔

(۴۱) اقبال،کلیات اقبال،۴۳۸۔ (۴۲) اقبال،کلیات مکاتیب اقبال،۱۴۵۔

(۴۳) گرامی،دیوان،۳۲۔ (۴۴) گرامی،دیوان،۸۔

(۴۵) اقبال،کلیات اقبال،۲۹۴۔ (۴۶) گرامی،دیوان،۲۸۔

(۴۷) اقبال،کلیات اقبال،۸۸۸۔ (۴۸) گرامی،رباعیات،۲۲۴۔

(۴۹) اقبال،کلیات اقبال،۳۵۲۔ (۵۰) گرامی،دیوان،۱۸۔

(۵۱) اقبال،کلیات اقبال(اردو)،۱۰۱۔ (۵۲) گرامی،دیوان،۱۳۵۔

(۵۳) اقبال،کلیات اقبال(اردو)،۴۵۸۔ (۵۴) گرامی،دیوان،۳۱۔

(۵۵) اقبال،کلیات اقبال،۲۰۲۔ (۵۶) گرامی،دیوان،۱۰۹۔

(۵۷) اقبال،کلیات اقبال،۱۶۴۔ (۵۸) گرامی،دیوان،۱۰۸۔

(۵۹) اقبال،کلیات اقبال،۸۱۱۔
(۶۰) گرامی،دیوان،۳۴۔
(۶۱) اقبال،کلیات اقبال،۳۱۴۔
(۶۲) گرامی،دیوان،۱۰۸۔
(۶۳) اقبال،کلیات اقبال،۹۹۸۔
(۶۴) گرامی،دیوان،۶۹۔
(۶۵) اقبال،کلیات اقبال،۷۵۰۔
(۶۶) گرامی،دیوان،۱۴۵۔
(۶۷) اقبال،کلیات اقبال(اردو)،۳۱۱۔
(۶۸) گرامی،رباعیات،۲۲۵۔
(۶۹) اقبال،کلیات اقبال،۴۹۔
(۷۰) گرامی،دیوان،۱۳۵۔
(۷۱) اقبال،کلیات اقبال،۳۸۹۔
(۷۲) گرامی،رباعیات،۱۳۵۔
(۷۳) اقبال،کلیات اقبال،۱۸۷۔
(۷۴) گرامی،رباعیات،۲۷۔
(۷۵) اقبال،کلیات اقبال،۱۸۷۔
(۷۶) گرامی،دیوان،۱۵۷۔۱۵۸۔
(۷۷) گرامی،رباعیات،۲۹۴۔

BIBLIOGRAPHY

- Abdullah Qureshi, *Muaṣir Iqbāl ki Nazar mein*, (Lahore: Majlis-e Taraqqi-e Adab,1977)
- Abdullah Qureshi, *Makātib-e Iiqbāl ba Nām Girāmī*, (Lahore: Iqbal Academy Pakistan, 1981)
- Akhtar Junagarhi, *Iqbāliyāt kā Tanqīdī Jāizah*, (Lahore: Iqbal Academy Pakistan, 1955)
- Girami, *Dīvān-e Girāmī*, (Lahore: Sheikh Mubarak Ali Tajir Kutab).
- Girami, *Rūbaiyāt-e Girāmī*, (Lahore: Sheikh Mubarak Ali Tajir)
- Hafeez Jalandhari, *Māh-e nau*, Vol.9, Issue 05, (Lahore,1956)
- Allama Muhammad Iqbal, *Kuliyāt-e Iqbāl*, (Lahore: Sheikh Ghulam Ali and Sons, 1990).
- Allama Muhammad Iqbal, *Kuliyāt-e Iqbāl*, (Lahore: Sheikh Ghulam Ali and Sons, 1975).
- Allama Muhammad Iqbal, *Kuliyāt-e Makātīb-e Iqbāl*, (Comp.) Muzaffar Husain Barni, (Tarteeb Publishers,1989).
- Khawaja Muhammad Zakariya, *Tārīkh-i Adabiyāt-e Musalmanān Pak-o Hind*, (Lahore: Idara Tehqeqat, Punjab University, 1972)
- Muzdak Anushay, *Danish Nama Adab-e Farsi*, (Tehran)
- Sibte Hasan Rizvi, *Farsī Go'yān-e Pakistān*, (Islamabad: Markaz-e Tehqeqat-e Farsi wa Pakistan, 1974)
- Zahoor al Din Ahmad, *Pakistān mein Fārsi Adab*, (Lahore: Idara Tehqeqat-i Pakistan, Punjab University, 1985).

❖❖❖